# اصولِ دعوتِ اسلام

از جناب مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

اسلامی نقطۂ نظر سے انسانی سعادت کا دارومدار دو چیزوں پر ہے۔ صلاح اور اصلاح یعنی خود صالح بننا اور پھر دوسروں کو صالح بنانا، یا خود کمال پیدا کرکے دوسروں کو باکمال کردینا جس کا حاصل یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات میں محض لازمی اور ذاتی نفع پر قناعت نہیں کی گئی بلکہ اس کو متعدی بنایا گیا ہے چنانچہ قرآن و سنت کی متعدد آیات و روایات اس پر شاہد ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

پھر اس صلاح یا کامل بننے کی بنیاد بھی دو ہی چیزوں پر ہے، علم نافع اور خلق عادل، علم تو راستہ دکھلاتا ہے اور اخلاق کی طاقت اس پر چلاتی ہے جس سے صلاح کی منزل مقصود سامنے آجاتی ہے اگر علم نہ ہو تو راہِ حق ہی نہیں کھل سکتی کہ چلنے کی نوبت آئے اور اگر اخلاق میں اعتدال نہ پیدا ہو جو عمل کی مخفی طاقت ہے تو اس کھلی راہ پر چلنے کی کوئی صورت نہیں ہوسکتی، پس علم محض راہ ہے اور خلقِ محض رہروی کی طاقت اور ظاہر ہے کہ نہ محض راہ سے منزلِ مقصود آتی ہے نہ مطلقاً رفتار سے۔ بلکہ راہ اور رفتار کے اجتماع ہی میں وصول بمنزل کا راز پنہاں ہے اس سے واضح ہوگیا کہ صلاح کی حقیقت تحصیل علم اور تعدیل اخلاق ہے اسی سے اصلاح کی حقیقت بھی نمایاں ہوجاتی ہے کہ وہ دوسروں کو صحیح علم پہنچانا اور ان کی اخلاقی حالت درست کرنا ہے، علم پہنچانے کو تعلیم اور تعدیل اخلاق کو تربیت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اس لئے اصلاح کی تمام حقیقت تعلیم و تربیت نکل آتی ہے۔

پھر اصلاحِ نفس کے حصول کا ذریعہ تو راہ علم و اخلاق میں مجاہدہ و ریاضت ہے اور اصلاحِ غیر کا

ذریعہ دعوت وارشاد اور تبلیغ وموعظت ہے اس لئے تکمیلِ سعادت کے معنی بھی واضح ہوگئے کہ خود عالم باعمل بن کر دوسروں کو دعوت وتبلیغ کے ذریعہ سے عالم وعامل بنایا جائے، پس انسان صلاح ورشد کے کتنے ہی اعلیٰ مقام پر کیوں نہ پہنچ جائے لیکن جب تک وہ اپنی استطاعت کے مطابق یہ صلاح ورشد اپنے بھائیوں تک پہنچانے کا اہتمام نہ کرے اس وقت تک وہ اپنا ذمہ بری نہیں کرسکتا۔

یہی وجہ ہے کہ شریعتِ اسلام نے جہاں اپنے پیروؤں کو خود ان کی ذاتی تہذیب وشائستگی کے لئے علم واخلاق اور اعتقادات واعمال کے ایک جامع پروگرام پر کاربند رہنے کا حکم دیا ہے وہیں اُن کے لئے اس پروگرام کی تبلیغ ودعوت اور ارشاد وتلقین کا حکم محکم بھی صادر فرمایا ہے تاکہ ایک کے ذریعہ دوسرا مہذب اور شائستہ بن سکے۔

پس اگر اعتقاد توحید ورسالہ اور عام عبادت وریاضت نماز، روزہ، حج، جہاد، اور احسان وصلہ وغیرہ اس وجہ سے فرض ہیں کہ قرآن وحدیث نے ان کا امر صریح کیا ہے تو دعوت وارشاد اور تبلیغ وموعظت بھی اسی لئے فرض قطعی ہے کہ کتاب وسنت ہی نے اس کا صریح اور غیر مشتبہ حکم دیا ہے جس کے بارہ میں کتنی ہی آیات وروایات وارد ہوئی ہیں، ان بیسیوں نصوص میں سے آیتِ ذیل کا انتخاب اس لئے کیا گیا ہے کہ اس میں دعوت الی اللہ کے حکم قطعی کے ساتھ حسبِ فہم احقر اس منصبِ دعوت کے آداب وشروط اور بنیادی دستور العمل پر بھی اصولی حیثیت سے ایک گہری اور جامع روشنی ڈالی گئی ہے جو اس وقت ان مختصر اوراق کا موضوع بحث اور مقصود بیان ہے۔

## آغاز مقصد

### اصلاح خلق

آیت دعوت کے پروگرام کی اجمالی تعیین

ادع الی سبیل ربك بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم

آپ اپنے رب کی راہ کی طرف علم کی باتوں اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ سے بلائیے اور ان کے ساتھ اچھے

بالتی ھی احسن ان ربک ھو اعلم بمن ضل عن سبیلہ طریقہ سے بحث کیجئے آپ کا رب اس شخص کو بھی خوب جانتا
وھو اعلم بالمھتدین وان عاقبتم فعاقبوا ہی جو اس کے راستہ سے گم ہوا اور وہی راہ پر چلنے والوں کو
بمثل ما عوقبتم بہ ولئن صبرتم لھو خیر للصّٰبرین بھی خوب جانتا ہے اور مخالفوں کے جواب میں سختی کرو تو
واصبر وما صبرک الا باللہ ولا تحزن علیھم چاہئے کہ ویسی ہی اور اتنی ہی کرو جیسی تمہارے ساتھ کی گئی
ولا تک فی ضیق مما یمکرون ان اللہ مع الذین ہے اور اگر تم نے صبر کیا (یعنی جھیل گئے اور سختی کا جواب سختی
اتقوا والذین ھم محسنون (ربما سورہ نحل) - سے نہیں دیا) تو بلاشبہ صبر کرنیوالوں کیلئے صبر ہی بہتر ہے،

ارکانِ بحث | اس آیت میں اولاً حضرت سید الداعین صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ثانیاً امت کے عام منصب یافتگان دعوت و تبلیغ کو دعوت الی اللہ کا حکم دیا گیا ہے، یہ فعل دعوت الی اللہ جو صیغۂ اُدع سے مفہوم ہو رہا ہے چونکہ متعدی فعل ہے اس لئے اُسے سب سے پہلے تو فاعل کی ضرورت ہے جسے داعی کہا جائیگا پھر مفعول کی جسے مدعو کہیں گے اور پھر اس چیز کی جس کی طرف دعوت دی جائے جسے مدعوالیہ سے یاد کیا جائیگا، اس طرح اس صیغہ اُدع سے چار مقام پیدا ہو جاتے ہیں جن کی تشریح سے ہی فی الحقیقت منصب دعوت و ارشاد کی تشریح ہو سکتی ہے۔ دعوت، داعی، مدعو، مدعوالیہ، دعوت کا کلمہ ادع سے نکلتا ہے تو ظاہر ہے کہ اُدع فعل ہے اور ہر فعل کے لئے ایک مادہ ضروری ہے جس سے وہ مشتق ہو اور بنایا جائے، ظاہر ہے کہ فعل اُدع کا یہ مادہ دعوۃ ہی ہے جس سے یہ صیغہ بنا ہے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ فعل ہو اور اس کا مادہ اس میں نہ ہو کہ فعل تو اس مادہ کی محض ایک صورت ہوتا ہے۔ اگر مادہ نہ ہو تو صورت کس چیز پر کھینچی جائے اس لئے کلمۂ اُدع سے دعوۃ کا نکلنا محض فنی قواعد ہی پر مبنی نہیں بلکہ عقلاً بھی ضروری ہے اور جب فعل دعوت آیت کی عبارت سے ثابت ہے تو داعی، مدعو، مدعوالیہ کا ثبوت قدرتی طور پر خود بخود ہو جاتا ہے کہ کوئی دعوت بغیر اپنے مخاطب مدعو کے داعی نہیں کہلایا جا سکتا اور پھر کوئی داعی اور مدعو بغیر اُس شئے دعوت کردہ کے داعی مدعو نہیں ہو سکتے جس کی وجہ سے وہ داعی مدعو بنے ہیں اس لئے یہ چاروں مقامات جن پر ہمیں بحث کرنی ہے

نصِ آیت ہی سے صاف طور پر نمایاں ہو جاتے ہیں۔

ان چارگانہ عنوانات کے چار مصداق نصِ آیت سے

پھر چونکہ اس فعل دعوت الی اللہ کا خطاب حق تعالیٰ کی طرف سے اولاً حضور کو ہے اس لئے بدلیل تخاطب اس دعوت کے داعی اول بنص آیت حضور ہوں گے اور پھر امت کے تمام وہ منصبداران دعوت و تبلیغ جو آپ کے اس نقشِ قدم پر چل رہے ہوں پس اب اس فعل دعوت کے داعی نص آیت سے ہی متعین ہو گئے۔

ادہر جبکہ آپ کی دعوت کسی قوم و ملت کے لئے خاص نہیں بلکہ بفحوائے اِنِّی رَسُوْلُ اللہِ الیکم جمیعًا سارے عالم کے لئے عام ہے اور اسی لئے اس بارہ میں آیت مطلق ہے کسی خاص قوم و ملک سے مقید نہیں کہ اسی کو دعوت دی جائے اسی لئے مدعو ساری امتیں ہوں گی اور وہ سب بلحاظ دعوتِ عامہ آپ ہی کی امت کہلائیں گی، اس لئے اصطلاحی الفاظ میں دورۂ محمدی کی تمام اقوام و ملل کے مجموعہ کو امت دعوت کہا جاتا ہے، گو بظاہر اس مفعول (یعنی عام مدعوین) کا عبارت آیت میں کوئی تذکرہ نہیں لیکن اگر قواعد عربیت سے غور کیا جلئے تو یہ تذکرہ نہ ہونا ہی ان مدعوین کا سب سے بڑھکر تذکرہ ہے کیونکہ جب مفعول میں کوئی تخصیص پیشِ نظر نہیں ہوتی بلکہ تعمیم اور اطلاق عام ملحوظ ہوتا ہے تو مفعول کو لفظوں میں ذکر نہیں کرتے پس جبکہ یہاں دعوت کا ذکر کرکے مدعو کا ذکر چھوڑ دیا گیا تو عربی قواعد کے مطابق یہ اس کی دلیل ہے کہ اس دعوت کا مدعو کوئی خاص فرد یا قوم نہیں بلکہ ہر وہ فرد بشر ہے جس میں خطاب کو سمجھنے کا مادہ موجود ہے اس لئے مدعو کے دائرہ میں تمام اقوامِ عالم کا متعین ہونا بھی اسی آیت سے ثابت ہو گیا۔

ادہر اس پروگرام کی تعیین بھی جس کی طرف دعوت دی جائے یعنی مدعو الیہ صراحتہً الفاظ آیت سے ہو رہی ہے کہ وہ "سبیل رب" ہے۔

بہر حال یہ چاروں مقامات دعوت، داعی، مدعو، مدعو الیہ اور پھر ان چاروں کے مصداق جو یہاں مراد ہیں نصِ آیت ہی میں مذکور اور اس سے ثابت شدہ نکلتے ہیں فرق ہے تو یہ کہ دعوۃ و داعی، اور

مدعوالیہ کا تذکرہ تفصیلی اور تعین کے ساتھ ہے اور مدعوین یعنی اقوام وملل کا ذکر محض اجمالی اور کلی طور پر کیا گیا ہے جس کی بڑی وجہ یہ نظر آتی ہے کہ اس آیتِ دعوت کا مقصود اصلی مدعوین کی اصلاح وہدایت ہے اور اس ہدایت واصلاح کا دارمدار درحقیقت دعوت کی خوبی، داعی کی قابلیت اور پروگرام کی مقبولیت پر ہے یعنی پروگرام جاذب توجہ ہو جو مدعو کو اپنی طرف کھینچ لے، دعوت دل آویز ڈھنگ سے ہو کہ مدعو کو جانے نہ دے، داعی کا کیرکٹر معیاری ہو جو مدعو پر اثر ڈال سکے اس لئے اگر فی الحقیقت ضرورت تھی تو زیادہ تر انہی تین چیزوں کے آداب واوصاف کی تفصیل کی تھی تاکہ مدعو کو کامل ہدایت حاصل ہو جائے۔ مدعو کوئی خاص فرد یا طبقہ معین ہی نہ تھا کہ اس کی تعیین و تفصیل کی ضرورت پڑتی پس حق تعالیٰ نے مدعوین ہی کی مصلحت سے (جو اس آیت کا اصل مقصد ہے) آیت میں دعوتی پروگرام، پھر دعوت الی اللہ کے انواع واقسام اور اس کے رنگ ڈھنگ اور پھر دعوت دہندوں کے مخصوص احوال واصاف پر خصوصی اور گہری روشنی ڈالی ہے اور ذیلی طور پر مدعوین کے خاص اوصاف بھی ثابت فرمادیئے ہیں جس کا اجمالی خاکہ یہ ہے کہ

(۱) دعوتی پروگرام کی خوبی یہ ہے کہ اس میں مدعوین تک پہنچنے کی صلاحیت ہو۔

(۲) دعوت کی خوبی یہ ہے کہ وہ مدعو اور مخاطب کے مناسب حال ہو۔

(۳) داعی کی خوبی یہ ہے کہ اس کا علمی اور اخلاقی معیار بلند ہو۔

(۴) مدعو کی خوبی یہ ہے کہ اس میں قبول حق کا جذبہ موجزن ہو۔

انہی چار گانہ مقاصد کی تفصیلات پورے مالہ وماعلیہ کے ساتھ اس آیت دعوت میں فرمائی گئی ہیں ہم ذیل میں انھیں کی تفصیل کرتے ہیں۔

## دعوتی پروگرام

(۱) تشریعیت | دعوتی پروگرام کے سلسلہ میں جس کی طرف لوگوں کو بلایا جائے پہلے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ وہ مخاطب کے حق میں کوئی طبعی اور ذاتی چیز نہ ہو بلکہ ایک بیرونی اور القائی چیز ہو جسے تبلیغ کے ذریعہ اس میں اُتارا جائے ورنہ

اگر وہ چیز مخاطب کے جذر طبیعت میں پہلے ہی موجود ہے تو تبلیغ و دعوت کی حاجت ہی باقی نہیں رہتی کہ تحصیل حاصل ہوگی۔

اس اصول کے ماتحت طبعیات دائرہ تبلیغ سے خارج ہوجاتے ہیں کہ ان کی طرف رہنمائی انسان کی پیدائشی طبیعت خود بخود کرتی ہے خواہ کوئی ہادی آئے یا نہ آئے، مثلاً کھانا پینا، سونا جاگنا، رغبت ونفرت رونا، ہنسنا، بولنا چالنا، چلنا پھرنا، وغیرہ انسان کے ایسے طبعیاتی امور ہیں جو بہ تقاضائے طبع اس سے سرزد ہوتے ہیں اور پیدا ہوتے ہی ایک انسان کا بچہ یہ ساری چیزیں اپنے طبعی داعیہ سے خود بخود کرنے لگتا ہے گویا سیکھا سکھایا پیدا ہوتا ہے اس لئے ان امور میں اُسے نہ کسی معلم کی حاجت ہے نہ داعی ومبلغ کی۔

اسی طرح عقلیات کے سلسلہ میں بھی تبلیغ ودعوت کی ضرورت نہیں ہوسکتی کہ عقل تھوڑی ہو یا بہت ہر انسان میں موجود ہے اور ہر ایک انسان جب تک کہ وہ دیوانہ نہیں ہے بغیر کسی معلم عقل کے خود بخود اپنے دماغ پر بوجھ ڈالکر عقل ہی کی کہتا ہے اور عقل ہی کی بات باور کرتا ہے نیز عقلی اختراعات میں عقل ہی کے دباؤ سے بقدر بساط حصہ لینے کی کوشش بھی کرتا ہے اسی لئے عقلیات میں تقلید نہیں، ہر شخص کو رائے زنی کا حق ہے، پھر اگر بڑی عقل والے کم عقل کے کلام کو درخور اعتنا نہیں سمجھتے اور اپنا کوئی نقصان اس میں محسوس نہیں کرتے تو ہوسکتا ہے کہ کم عقل بھی کسی بڑی عقل والے کی خلاف ورزی میں اپنا کوئی ضرر محسوس نہ کریں کیونکہ ضرر کا تعلق احساس سے ہے کم عقل جب اس بعید ضرر کا وہ احساس ہی نہیں رکھتا جو کثیر العقل رکھتا ہے تو یہ ضرر اس کے لئے تکلیف دہ ہی نہیں بن سکتا اگر بن سکتا ہے تو اُس بڑی عقل والے کے لئے جسے اس ضرر کا احساس تھا۔

اس بنا پر عقلیات میں بھی تبلیغ کی حاجت باقی نہیں رہتی اور جبکہ محسوسات میں بھی تبلیغ کی حاجت نہیں ہے اور طبعیات اور عقلیات بھی تبلیغ سے مستغنی ہیں تو اب یہ امر واضح ہوگیا کہ تبلیغ صرف ایسے ہی مقاصد کی ہوسکتی ہے جو انسان میں دعوت تبلیغ وتلقین ہی سے پیدا ہوسکتے ہوں اور پہلے سے اس کے اندر نہ ہوں اس کے بعد اس پر غور کرو کہ یہ بیرونی مقاصد جو انسان میں پہنچائے جائیں کہاں سے لائے جائینگے؟

ظاہر ہے کہ انسان کے سوا کسی دوسری مخلوق کے دائرہ سے لاکر تو انسان میں ڈالے ہی نہیں جاسکتے کیونکہ اس دائرہ کی سب سے برتر اور اکمل نوع تو خود انسان ہی ہے اور وہ جب خود اپنے ہی نوع کے ذاتی امور عقل طبع اور حس وغیرہ میں ایک دوسرے کا مکلف نہیں تو اپنے سے ارذل و کمتر انواع جمادات، نباتات حیوانات کی ذاتیات کا کب مکلف ہوسکتا ہے کہ یہ کم رتبہ چیزیں اُسے تبلیغ کریں اور اسے حد کمال پر پہنچائیں نیز جو باتیں ان انواع میں موجود ہیں جیسے جمادات کی جمادیت نباتات کا نشو و نما حیوانات کا حس و شعور وہ سب انسان میں ہی موجود ہیں اور طبعی ہو کر پائی جاتی ہیں تو پھر ان کی تبلیغ کی حاجت ہی کیا ہوسکتی ہے اور وہ بھی اپنے سے ارذل و کمتر کے ذریعہ اگر پھر بھی وہ ان سے مستفید ہونے لگے تو یہ تکمیل نہ ہوگی بلکہ تنقیص ہوگی جسے تبلیغ نہیں کہہ سکتے کہ تبلیغ تکمیل کے لئے ہوتی ہے نہ کہ تنقیص کیلئے اس سے ظاہر ہے کہ تبلیغ لامحالہ ایسے ہی امور کی ہوسکتی ہے جو نہ خود انسان کے اندر ہوں نہ دوسری مخلوقات سے اس میں لائے جاسکتے ہوں گویا پوری مخلوقات ان سے خالی ہو تو قدرتی طور پر اس کے یہی معنی ہوسکتے ہیں کہ یہ تبلیغی امور انسان کے خالق کی طرف سے اس میں آسکتے ہوں جس کو دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہئے کہ مخلوق کی ذاتیات یعنی عقل و طبع اور حس کے بجائے اُسے صرف خالق کی ذاتیات یعنی علوم و کمالات معارف و حقائق اور اخلاق و صفات ربانی ہی کی تبلیغ کی جائے گی تاکہ وہ حد کمال پر پہنچایا جاسکے اب اس کا خلاصہ دو لفظوں میں یہ نکلا کہ تبلیغ نہ حیات کی ہوسکتی ہے نہ طبعیات کی نہ وہمیات کی ہوسکتی ہے نہ عقلیات کی بلکہ صرف شرعیات کی ہوسکتی ہے جو خالق سے منقول ہو کر انسان تک پہنچیں کہ شرعیات کے سوا تمام چیزیں انسان میں قبل از تبلیغ خود بھی بہ تقاضائے طبع موجود ہوتی ہیں۔

بہر صورت تبلیغی چیز صرف علم الٰہی نکلا جسے علم شرعی کہا جاتا ہے اور اس لئے یہ واضح ہوگیا کہ دعوتی پروگرام کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہونی چاہئے کہ وہ خدا کی طرف سے ہو مخلوقاتی دائرہ کی چیز نہ ہو کہ مخلوق کی طرف سے جو علم و فن بھی ہوگا وہ محض طبعیاتی یا عقلیاتی دائرہ کا ہوگا جس کی تبلیغ کا انسان محتاج نہیں اسی کو دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ دعوتی پروگرام کی اولین خصوصیت تشریعیت ہونی چاہئے کہ وہ منجانب اللہ ہو منجانب خلق نہ ہو

غور کرو تو اس مدعوالیہ یعنی دعوتی پروگرام کی یہ خصوصیت اس آیتِ دعوت سے صاف نکل رہی ہے کیونکہ آیت میں مدعوالیہ کی تعیین سبیل رب کے کلمہ سے کی گئی ہے کہ خدا کے راستہ کی طرف لوگوں کو بلاؤ اور خدا کا راستہ وہی شرعیاتی ہے جو اس کے علوم وکمالات اور اخلاق پر مشتمل ہے جیسا کہ ابھی واضح ہوا، اس لئے مدعوالیہ کے سلسلہ کا ایک مقام آیتِ دعوت سے حل ہوگیا۔

(۲) بدعات سے بچاؤ | نیز جبکہ عبارت آیت میں منطوقاً امر کیا گیا کہ تبلیغ خدا کے راستہ کی کرو اور خدا کا راستہ وہی شریعت یا شرعیاتی پروگرام ہے جو اخلاق ربانی اور علمِ الٰہی پر مشتمل ہے تو اسی آیت کے مفہوم سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ غیر خدا کے راستہ کی طرف شرعیاتی دعوت مت دو اور غیر خدا کا راستہ وہی طبعیاتی یا عقلیاتی پروگرام ہے جو ہر انسان کی طبیعت سے خود بخود ابھرتا ہے جیسا کہ ثابت ہو چکا ہے اس سے واضح ہوا کہ اختراعات ومحدثات اور بدعات کی تبلیغ جائز نہیں کہ وہ خدا کے راستہ کا پروگرام ہی نہیں وہ سبیل رب ہونے کی بجائے سبیل نفس یا سبیل خلق ہے جو عموماً مذہبی لوگوں کے غلو تعمق نظر اور تکلف سے پیدا ہوتا ہے۔ پس داعی اور مبلغ کو ہر مسئلہ کی تبلیغ سے پہلے اس پر غور کر لینا چاہئے کہ جس مسئلہ کی وہ تبلیغ کر رہا ہے آیا وہ شرعی ہے بھی یا نہیں؟ اور آیا شریعت کی معتبر اور مستند کتابوں میں اس کا وجود ہے یا نہیں؟ یعنی کسی مسئلہ کا محض زبان زد ہو جانا یا رواج پکڑ جانا یا مطلقاً کسی کتاب میں طبع ہو جانا اس کے شرعی ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی جب تک کہ ان ثقات اہلِ شریعت کی زبان وقلم سے اس کی تصدیق وتائید اور نقل وروایت نہ ہو، جن کا رات دن کا مشغلہ شرعیات کی تعلیم اور شرعی کتب میں تفکر اور ردّ وکد ہو غرض داعی الی اللہ کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے دعوتی پروگرام کو لوگوں کے نفسانی اختراعات وجذبات یا اہل تعمق اور اربابِ غلو کے تراشیدہ رسوم اور آلائشوں سے پاک وصاف کر کے صرف اصلی اور سادہ دین پیش کرے اور خالص وحی کی تبلیغ کرے جو منقول ہو کر ہم تک پہنچی ہے کیونکہ مکمل وحی آجانے کے بعد اختراع کا کوئی موقعہ ہی باقی نہیں رہتا کہ بدعات کی تبلیغ جائز رکھی جائے بلکہ صرف اتباع کا درجہ رہ جاتا ہے۔ لہٰذا موضوع اور منکر روایات، زبان زد اسرائیلیات، من گھڑت قصے کہانیاں، ہنسی اور ٹھٹے کی باتیں جو عموماً پیشہ ور واعظوں کا پیشہ

بن گئی ہیں، سبیلِ رب کے لفظ سے سب ممنوع ٹھہر جاتی ہیں جن سے مبلغ کو احتراز کرنا ضروری ہے ورنہ وہ اسلام کی نہیں بلکہ اسلام میں سنتِ جاہلیت کی اشاعت کا مرتکب ہوگا جس سے اس کی یہ تبلیغ بجائے مفید ہونے کے مضر اور بجائے امن وسکون قائم کرنے کے فتنہ کا ذریعہ ثابت ہوگی جو مختلف قسم کے نزاعات ومجادلات اور فرقہ بندیاں پیدا کردے گی جن سے امت میں کمزوری آجانا ایک امر طبعی ہوگا جیسا کہ آج کل پیشہ ور لکچراروں اور خود غرض خطیبوں کی تبلیغی نمائشوں سے نمایاں ہو رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس تبلیغ کے ہونے سے اس کا نہ ہونا بہتر ہے۔ بہرحال شرعیات کی تبلیغ آیت کے منطوق سے ضروری نکلی اور غیر شرعیات کی تبلیغ اسی آیت کے مفہوم سے ممنوع ثابت ہوگئی۔

(۳) پروگرام کی بے تکلفی | نیز اسی سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ تبلیغ مسائل میں گو نہ بے تکلفی ہی ملحوظ خاطر رہنی چاہئے کیونکہ سبیلِ رب کی تبلیغ میں تو صرف نقل کی ضرورت ہوسکتی ہے جس میں کسی تکلف کی اصلاً حاجت نہیں اور غیر سبیلِ رب میں اختراع وایجاد کی ضرورت ہے جس کی بنیاد ہی تکلف پر ہے گویا بدعت تو بنانی پڑتی ہے جس کا حاصل تصنع ہے اور سنت بنی بنائی چیز ہے جس کا صرف نقل کردینا کافی ہے نہ اس میں تکلف درکار ہے نہ تصنع پس جو مبلغ حقیقتاً خدا کا راستہ دکھلائے گا اس کے مقاصد اور بیانات میں سادگی اور بے تکلفی ہوگی اور جو لوگوں کو اپنی طرف بلائے گا اسے اپنے بیانات میں یقیناً طرح طرح کے تکلفات تصنعات اور بناوٹوں کو دخل دینا پڑیگا مثلاً تقریر کے نرالے ڈھنگ اختیار کرنا، آواز میں انداز پیدا کرنا، ہیئت میں خاص خاص بناوٹیں دکھلانا، اسٹیج پر بنکر آنا، خاص انداز سے بولنا، تھیٹر کے سے ڈراموں کی نقلیں اُتارنا، الفاظ میں قافیہ اور سجع کی رعایت بتکلف کرنا وغیرہ وغیرہ جس سے سامعین کی توجہات اپنی طرف جذب کی جاسکتی ہوں۔ غرض اپنے کو یا اپنے بیان کو بنانا محض تصنع اور بناوٹ ہے اور اس سادگی کے منافی ہے جو سبیلِ رب کے حملہ سے نکل رہی ہے اس لئے کہ اس حملہ سے تبلیغ کے تکلف وتصنع کی نفی بھی نکلی جو آجکل کے پیشہ ور واعظوں اور خود رو لیڈروں کا طرۂ امتیاز ہے۔ قرآنِ کریم نے ایک دوسری جگہ خاص تبلیغ ہی کے سلسلہ میں اس تصنع کی کھلی نفی بھی فرمائی ہے

ارشادِ حق ہے۔

قل ما اسئلکم علیہ من — (اے رسول) آپ کہدیجئے کہ میں تم سے اس قرآن کی تبلیغ پر نہ کچھ معاوضہ

اجر وما انا من المتکلفین — چاہتا ہوں اور نہ میں بناوٹ کرنے والوں میں سے ہوں (اسلئے کہ) یہ

ان ھو الا ذکر — قرآن تو اللہ کا ذکر ہے (اور ذکر الہی میں بناوٹ کی حاجت ہی نہیں۔

للعلمین ہ — وہ تو بنی بنائی چیز ہے جو اوپر سے اتار دی گئی ہے)

**پروگرام کی جامعیت واجتماعیت**

یہ ثابت ہو جانے کے بعد کہ دعوتی پروگرام صرف سبیل رب اور وحی ہو سکتی ہے، کہ جس میں نہ اختراع ہو نہ بدعت نہ تکلف ہو نہ تصنع، اب اس پر غور کرنا چاہئے کہ آیا اس وحی میں تبلیغ عام اور ساری اقوام میں پھیل پڑنے کی صلاحیت بھی ہے یا نہیں؟ اور آیا یہ وحی کسی خاص قوم اور خاص وطن کے لئے تو نہیں آئی؟ کیونکہ اگر کسی پروگرام میں ذاتی طور پر عمومیت اور ایک قوم سے دوسری قوم کی طرف منتقل ہو کر اجتماعی دستور العمل بننے کی صلاحیت ہی نہ ہو بلکہ وہ کسی قومیت یا وطنیت کے لئے مخصوص ہو تو ظاہر ہے کہ وہ پروگرام تبلیغی کہلایا ہی نہیں جا سکتا کہ اس کے لئے تبلیغ ودعوت اور آداب تبلیغ کا کوئی نظام زیر غور آئے۔ قرآن کریم نے ایسے پروگراموں کی طرف بھی اشارے فرمائے ہیں جو کسی قومیت کیلئے مخصوص ہوں فرمایا گیا

ولکل قوم ھاد — ہر قوم کے لئے ایک ہدایت کنندہ آیا ہے۔

ظاہر ہے کہ جب قوم قوم کے لئے الگ الگ ہادی آئے ہیں تو ہر ایک ہادی اپنی ہی قوم کی ہدایت کا ذمہ دار بھی بنکر آیا ہے جس کے صاف معنی یہی نکل سکتے ہیں کہ اس کا تبلیغی پروگرام بھی اسی کی قوم کے لئے مخصوص تھا ورنہ اُسے کسی مخصوص قوم کا ہادی نہ فرمایا جاتا۔ اور اس کی تبلیغ اسی کی قوم کے دائرہ تک محدود نہ رہتی۔ ظاہر ہے کہ ایسے قومی پروگراموں میں جن میں قومیت کی حدبندیاں قائم ہوں، تبلیغ عام کی صلاحیت اور ایک قوم سے دوسری قوم کی طرف منتقل ہونے کی قابلیت ہی نہیں ہوتی کہ اسے عمومی تبلیغ کا مسلک کہا جائے اگر ایسے مخصوص پروگراموں کو خواہ مخواہ دوسری اقوام تک پہنچانے کی کوشش بھی کی جائے گی تو وہ یقیناً بیچ

ہی میں رہ جائیں گے یعنی وہ دوسری اقوام تک تو اُن کے مناسب مزاج نہ ہونے کے سبب پہنچ نہ سکیں گے ہاں اپنی قوم سے ضرور منتقل ہو جائیں گے جس سے یہ مبلغ قوم تو پروگرام سے خالی ہو جائیگی اور دوسری قوم اس سے منتفع نہ ہو سکیگی اس لئے یہ پروگرام نہ اس قوم کا اپنا ہی رہیگا نہ دوسروں ہی کا ہوگا، نیز خود یہ قوم بھی نہ اِدھر کی رہے گی نہ اُدھر کی۔

## اسلام کے سوا کوئی مذہب تبلیغی نہیں ہو سکتا

**عیسائی مذہب** | مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ "میں اسرائیلی بھیڑوں کو جمع کرنے آیا ہوں" ظاہر ہے کہ اس دعوی کے بعد انجیلی پروگرام غیر اسرائیلی دنیا کے لئے پیغام ہو ہی نہیں سکتا کہ اسے ساری دنیا کا جامع مسلک کہا جائے کہ وہ محض اسرائیلی مزاج کے مطابق فقط قوم اسرائیل ہی کے لئے بھیجا گیا تھا لیکن جبکہ زور و قوت کے بل بوتہ پر اُسے عالمگیر بنانے کی لاحاصل سعی کی گئی تو نتیجہ یہ ہوا کہ پھیل کر خود اسی کا رنگ پھیکا پڑ گیا اور وہ خود اپنوں کی نگاہوں میں ہی ہلکا ہو گیا۔ چنانچہ آج زیادہ تر انھیں اقوام کو عالمگیر مذہب کی تلاش ہے جو اس قومی مذہب کو عالمگیر دیکھنا چاہتی تھیں اور آئے دن اونچی دنیا کے عیسائیوں ہی کے اعلانات کسی اجتماعی مسلک اور جامع الملل مذہب کی طلب و تلاش میں نکلتے رہتے ہیں جس سے صاف واضح ہے کہ ان کی یہ پھیکی اور بے روح عیسائیت آج محض قومیت کی شیرازہ بندی کے لئے رہ گئی ہے کسی دینی دستور العمل یا پروگرام کی حیثیت سے قائم نہیں ہے

**ہندو مذہب** | یا مثلاً ہندو مذہب کی نوعیت جبکہ ایک وطنی مذہب کی ہے جو دوسرے وطنوں کے لئے پیام کی حیثیت نہیں رکھتا اسی لئے اس کی تعلیمات میں دائرہ کو تنگ رکھنے اور وسیع نہ کئے جانے کی خاص کوشش کی گئی ہے، مثلاً اس کی ہدایات کی رو سے سمندر کی سیاحت یا سمندر پار جانا مذہباً ممنوع ہے آج اس کی جو کچھ بھی تاویل کی جاتی ہو مگر مسئلہ کی نوعیت ان کی صریح عبارتوں سے یہی نکلتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جس مذہب نے اپنے پرچارکوں کو یہ تعلیم دی ہو کہ وہ ٹھیرے ہوئے پانی کی طرح اپنے وطن کے کنارہ سے باہر کی طرف جھانک بھی نہ سکیں تو اس مذہب میں پھیل پڑنے یا دوسروں سے آنکھ ملانے اور ایک وطن سے دوسرے وطن تک

منتقل ہونے کی کیا صلاحیت ہو سکتی ہے، مذہب نے جب خود مبلغین مذہب ہی میں ملک کی چہار دیواری سے باہر نکلنے کی استعداد فنا کر دی ہو تو مذہب کی تبلیغی صلاحیت معلوم۔

جہاں یہ تعلیم ہو کہ ویدوں کا علم پنڈتوں کی خاص میراث ہے اُسے دوسرے گوت چھو بھی نہیں سکتے گویا جو قوم خود اپنوں کو بھی تبلیغ کرتے ہوئے ڈرتی ہو وہاں دوسری اقوام اور دوسرے وطنوں کو دعوت دینے کا سوال ہی کب پیدا ہو سکتا ہے کہ وہ مذہب تبلیغی مذہب کہلایا جا سکے؟۔

**لامی مذہب** | لامی مذہب والے یعنی تبت کے لوگ ساری خیر و برکت کا وجود تبت ہی کے پہاڑوں تک محدود مانتے ہیں اور اس سے باہر جگہ جگہ شیطانی ارواح کا تسلط سمجھتے ہیں، بزعم خود اگر وہ ان حدود سے باہر نکل جائیں تو یہ شیطانی ارواح ان میں حلول کر کے ان کی ساری خیر و برکت سلب کر ڈالیں، چنانچہ اس قوم کے لامہ نے جبکہ بلطائف الحیل اسے یورپ کے سفر پر مجبور کیا گیا، واپس آ کر اخبارات کو یہی بیان دیا تھا کہ تبت سے نکلتے ہی اُسے فضائے آسمانی شیاطین سے بھری ہوئی نظر آنے لگی اور شیطانی ارواح اس میں اور اس کے سارے استعمالی سامانوں میں سرایت کرنے پر تُلے ہوئے دکھائی دینے لگے جنھیں بمشکل تمام اُس کی روحانیت نے باز رکھا تب کہیں وہ تبت کے پہاڑوں کی برکت محفوظ رہ سکی۔

ظاہر ہے کہ ایسا تنگ مذہب جو چند پہاڑیوں کے غاروں میں محبوس ہو ساری دنیا کے جبال و بحار تک اپنی تبلیغی گونج کیسے پہنچا سکتا ہے؟ اور کس طرح دنیا کی اقوام کو مسخر کر سکتا ہے؟ کہ اسے تبلیغی مذہب کہا جائے بلکہ اسے یہ حق ہی کب پہنچتا ہے کہ وہ اس تنگ مسلک کی دنیا کو دعوت بھی دے؟ کیونکہ اس کی دعوت عام تو عالم کے لئے اسی وقت ممکن تھی کہ سارے عالم کا تبت کے پہاڑوں میں سما جانا ممکن ہوتا، اور یہ کب ممکن ہے؟ اس لئے اس قسم کے محدود وطنی یا قومی مذاہب جو مخصوص اقوام کے وطنی یا قومی مزاج کے مناسب حال کسی وقت اترے ہوں گے اقوام عالم کے لئے کبھی بھی دعوت عام نہیں بن سکتے اور اگر بنائے جائیں گے تو نتیجہ یہی ہوگا کہ اس پھیلاؤ کے بعد خود انہی کا رنگ پھیکا پڑ جائے گا اور وہ خود بخود معدوم ہونے لگیں گے، گویا ان کی بقاء کا

رازی اس میں مضمر ہے کہ وہ اپنی مخصوص قوم کے حلقوں اور اپنے محدود وطن کی چہار دیواریوں میں نقاب برسر پڑے رہیں۔

یہودی مذہب | یا مثلاً اسی بنا پر یہود کو اپنے مذہب کی دعوتِ عام دینے کی کبھی جرأت نہ ہوئی، کہ وہ صرف اسرائیلی ہی افتادِ طبع کے مناسب حال تھا، یہودی اقوام پیسہ کمانے کے لئے تو دنیا کے ممالک میں جا سکتی ہیں اور اقوام عالم کا خون چوس سکتی ہیں لیکن مذہب کو لیکر نہیں نکل سکتیں، کیونکہ وہ خود جانتے ہیں کہ اگر یہ تنگ مذہب جس میں جنت، رحمت، انبیاء سے نسبت حتیٰ کہ خدا سے قرابت وغیرہ سب اپنے لئے مخصوص کر کے بقیہ عالم کو محروم القسمت بتایا گیا ہے اگر اپنی قوم سے آگے بڑھایا گیا تو اقوام عالم تو اس سے زندہ نہ ہوں گی ہاں وہ خود اقوام کی بھیڑ میں پامال ہو جائے گا اس لئے اسے اپنی ہی رہبانیت گاہوں میں مقفل پڑا رہنا چاہئے

بہرحال یہ رہبانیت خیز مذاہب عموماً یا وطنی حد بندیوں میں جکڑے ہوئے ہیں یا قومی بندھنوں میں بندھے ہوئے ہیں حتیٰ کہ ان کے اسماء ہی سے یہ وطنی قومی اور شخصیتوں کی حد بندیاں اور تنگیاں نمایاں ہیں، ہندو مذہب ملک کی طرف یہودی مذہب قوم کی طرف اور بدھ مت یا عیسائیت شخصیتوں کی طرف منسوب ہے اس لئے ان کے اسماء ہی ان کی عمومیت اور ہمہ گیری سے انکاری ہیں۔ پس جبکہ خود ان کے اسم و رسم اور حقیقت و ماہیت ہی میں پھیل جانے اور تمام اقوام کے افق پر چمک کر عام روشنی پھینکنے کی صلاحیت نہ ہو تو ان کے لئے دعوت و تبلیغ کے سسٹم اور آداب تبلیغ کے قواعد و ضوابط یا آداب و شروط کا سوال کب پیدا ہوتا ہے کہ وہ زیر بحث آئے۔

(باقی آئندہ)